بسم اللہ الرحمن الرحیم

محمد زاہد
جامعہ اسلامیہ امدادیہ فیصل آباد

[یہ تحریر پرانی ہے، اس پر نظر ثانی بھی پرانی ہے اس لئے بعض جگہ قیمتیں آج کل سے مختلف ہوسکتی ہیں]

وجوب قربانی کا نصاب اوراس میں عملی مشکلات کا حل

احقر نے وجوب قربانی کے معیار کے بارے میں یہ تحریر محرم ۱۴۱۶ھ میں لکھی تھی، اس میں جس مسئلے پر غور کی دعوت دی گئی ہے اس پر غور کی ضرورت اب بھی باقی ہے، اس تحریر میں براہِ راست گفتگو قربانی کے نصاب کے بارے کی گئی ہے، لیکن جیسا کہ معلوم ہے کہ فقہاء حنفیہ نے مصرف زکوٰۃ ہونے یا نہ ہونے میں بھی غنیٰ کا معیار اسی کو قرار دیا ہے جو وجوبِ قربانی میں ہے، اس کی وجہ سے بعض اچھے خاصے حاجت مند لوگ بھی زکوٰۃ سے محروم رہ کر تنگی کا شکار ہوتے ہیں، اس لئے یہ تحریر دوبارہ اس درخواست کے ساتھ پیش کی جارہی ہے کہ مصرف زکوٰۃ کے معاملے میں بھی ساتھ ہی غور ہوجائے تو بہتر ہے۔

حنفیہ کے ہاں وجوبِ قربانی کے لئے غنیٰ اور یسار شرط ہے، اور اس غنیٰ کا معیار وہی مقرر کیا گیا ہے جو وجوبِ صدقۂ فطر اور حرمت اخذ زکوٰۃ کے لئے ہے، یعنی ضروریات اصلیہ سے زائد، فارغ عن الدین مال جو بقدرِ نصاب ہو یعنی دوسو درہم چاندی یا بیس دینار سونا یا ان کی قیمت کے برابر ہو لیکن چاندی کی قیمت کم ہونے کی وجہ سے وجوبِ قربانی کے مسئلہ میں کافی مشکلات ہیں جنہیں سمجھنے کے لئے درج ذیل امور کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

تفصیل مشکلات:

۱۔ آج کل دوسو درہم (۲/۱, ۵۲ تولہ) چاندی کی قیمت تقریباً چار پانچ ہزار روپے کے درمیان بنتی ہے (۱) اور اتنی رقم عموماً متوسط سے بھی بہت کم درجہ کے لوگوں کے پاس بچا کر رکھی ہوئی ہوتی ہے، تاکہ بوقتِ ضرورت کام آسکے۔

۲۔ سونا چاندی میں نماء تقدیری ہوتا ہے، روپیہ بھی بہت سے علماء کے نزدیک ثمن عرفی ہے اس لئے نفس ثمنیت میں اشتراک کی وجہ

---

(۱) یہ تحریر ۱۴۱۶ھ کو لکھی گئی ہے، اس وقت ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت تقریباً پانچ ہزار بنتی تھی اب اس کی قیمت تقریباً نو ہزار روپے بنتی ہے۔

سے اس میں بھی تقدیری نماء ہونا چاہئے، چنانچہ فتاوی تاتارخانیہ میں غطارفہ کی زکوٰۃ پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:

ومشائخ زماننا قالوا: هم انما أفتوافی زمنهم حيث تقررت الثمنية فيها ، فأما فی زماننا قد تراجعت ولم تبق ثمنا ، فلايمكن ايجاب الزكوٰة فيها باعتبار العين فينظر الى مافيهامن الفضة. (۲/۲۳۴)

اس سے معلوم ہوا کہ نماء تقدیری میں اصل مدار ثمنیت ہے خواہ شرعی ہو یا عرفی۔

۳ عام کتب فقہ سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے اور معروف بھی یہی ہے کہ جس میں نماء تقدیری ہوگا وہ فارغ عن الحاجۃ الأصلیہ بھی سمجھا جائے گا، گویا نماء تقدیری اور فراغ عن الحوائج الأصلیہ میں عموم وخصوص مطلق کی نسبت ہے، جو نامی ہوگا وہ فارغ عن الحوائج الأصلیہ ضرور ہوگا ولاعکس کلیا چنانچہ ردالمحتار میں ہے:

ويخالفه مافی المعراج فی فصل زكوٰة العروض أن الزكوٰة تجب فی النقد كيفما أمسكهٔ للنماء أو للنفقة ، وكذافی البدائع فی بحث النماء التقديری اه قلت وأقره فی النهر والشرنبلالية وشرح المقدسی، وسيصرح به الشارح أيضاً،ونحوه قوله فی السراج سواء أمسكه للتجارة أوغير ها ، وكذاقوله فی التتارخانيه: نوىٰ التجارة أولا . (۲/۲۶۲ کتاب الزکوٰۃ)

بدائع کی عبارت یہ ہے:

وأما صفة هذاالنصاب فنقول : لايعتبر فی هذا النصاب صفةٌ زائدة على كونهٖ فضة فتجب الزكوٰة فيها سواء كانت الدراهم مضروبة أو نقرة أوتبرا أوحليا مصوغا أوحلية سيف ......وسواء كان يمسكها للتجارة أوللنفقة أوللتجمل أولم ينوشيئاً. (۲/۱۷)

(ابن ملکؒ کا قول اس کے خلاف ہے جس کی تفصیل آخر میں آئے گی)

اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ کسی شخص کے پاس چار پانچ ہزار روپے مستقبل میں متوقع کسی ضرورت کے لئے رکھے ہوئے ہیں، مثلاً ڈاکٹروں نے کہا ہوا ہے کہ اتنے عرصے کے بعد گھر میں فلاں شخص کا آپریشن ہوگا تو اس کی یہ رقم تقدیراً نامی ہونے کی وجہ سے فارغ عن الحوائج بھی سمجھی جائے گی اس لئے اس پر بھی قربانی واجب ہوگی۔

۴ پھر جیسے مال نامی تقدیراً میں فراغ عن الحوائج شرط نہیں ہے ایسے ہی مال نامی حقیقۃً جیسے مالِ تجارت کا بھی یہی حکم ہوگا، اس لئے کہ نقود میں جو نماء تقدیری مانا گیا ہے اس کی علت بھی اعداد للتجارۃ خلقۃً ہے۔ آج کل چھوٹی سے چھوٹی دکان جس سے روزمرہ کے انتہائی ضروری اخراجات بھی بمشکل پورے ہوسکیں اس کے نامی قابل زکوٰۃ اثاثے بھی ساڑھے چار پانچ ہزار سے کہیں زیادہ ہوتے ہیں، ایسے شخص پر ایجاب قربانی میں ظاہر ہے کہ حرج عظیم ہے، بلکہ جو مال تجارت سونے کے نصاب کے برابر (تقریباً ۳۵۰۰۰ روپیہ) ہو تو اس کی آمدن بھی

بھی کوئی خاص نہیں ہوتی۔ایسی متعدد مثالیں سامنے آئیں ہیں کہ ایک ریڑھی لگانے والے یا اسی طرح بہت کم آمدنی والے کسی شخص کا جب جائزہ لیا گیا تو اس پر قربانی کے وجوب کا فتویٰ دینا پڑا یقیناً اس کے روزمرہ کے ضروری اخراجات بھی بمشکل پورے ہوتے تھے پھر اس مسئلہ پر غور کرتے ہوئے بکری کی قربانی کا حساب لگانا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ گائے کی قربانی تو مزید چھ افراد پر موقوف ہے جن کا ہر جگہ تیار اور مہیا ہونا ممکن نہیں ہوتا۔

یہ بھی ذہن میں رہے کہ فقہاء نے جو لکھا ہے کہ وجوبِ اضحیہ بقدرۃ ممکّنہ ہوتا ہے نہ کہ بقدرۃ میسرۃ، اس سے بظاہر زیرِ بحث مسئلہ پر غور کی اہمیت کم نہیں ہوتی، اس لئے کہ دفع حرج دونوں قسموں میں ملحوظ ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ حج جو کہ واجب بالقدرۃ الممکّنہ ہوتا ہے اس میں بھی بعض ایسی شرائط ہیں جو صرف دفع حرج کے لئے ہیں مثلاً:

اشتراط راحلةٍ مختصةبه فلايكفي لوقدر على راحلةمشتركة يركبهامع غيره بالمعاقبة.(شامی ۲/ ۴۵۹)

ومن هناقال الأصوليون :اِنَّ اشتراط القدرة الممكّنة للوجوب فضل من الله تعالىٰ واشتراط القدرة الميسرة مزيد فضل وكرامة منه تعالىٰ.

وجوب اضحیہ بقدرۃ ممکنہ پر صرف دو اثر مرتب ہوں گے۔

۱) وجوبِ قربانی کے لئے نصاب کا نامی ہونا شرط نہیں ہوگا کما صرح بہٖ فی الدر المختار فی صدقۃ الفطر۔

۲) ایک مرتبہ وجوب کے بعد زوالِ یسار سے وجوب ساقط نہیں ہوتا بلکہ ایام اضحیہ گذر جانے کے بعد تصدق واجب ہوگا۔

مشکل کا حل:

﴿۱﴾ سب سے پہلے نصاب پر غور کیا جائے، وجوبِ قربانی کے لئے کوئی نصاب منصوص تو ہے نہیں بلکہ حدیث میں لفظ صرف ''سعۃ'' کے آتے ہیں اور اسی لفظ سے حنفیہ نے اشتراط یسار پر استدلال کیا ہے۔(اعلاء السنن وبدائع ۶۴/۵) لیکن نص میں سعۃ کا کوئی معیار مقرر نہیں کیا گیا، اس لئے اصول کا تقاضا یہ تھا کہ اسے ظنِ مبتلی بہ پر چھوڑ دیا جاتا اور یوں کہا جاتا کہ جس شخص کے پاس اتنی مالی وسعت ہو کہ قربانی پر خرچ کرنے کے بعد بھی اسے کسی قابلِ ذکر مالی دقت کا سامنا نہ کرنا پڑے، صاحب بدائع اشتراطِ یسار کی عقلی وجہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ولأنا لو أوجبناه بمطلق المال ومن الجائز أن يستغرق الواجب جميع ماله فيؤدي اِلى الحرج .(۶۴/۵)

اگر وجوبِ اضحیہ کے لئے کسی نصاب کو نا قابلِ تغیر مقصودِ شرعی قرار دیا جائے تو استغراقِ جمیع المال والا احتمال اس میں بھی موجود ہوگا۔اس لئے اصول کا تقاضا یہ تھا کہ حج کی طرح یہاں ادائیگیٔ واجب میں خرچ ہونے والی مقدار متعین نہیں ہے اس لئے وجوب کا باعث

بننے والی مقدار بھی متعین نہ ہو۔آسان لفظوں میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ زکوۃ میں اگرکل نصاب کی مالیت کم ہوگی تو اسی تناسب سے ادائیگی واجب کی لاگت کی قیمت بھی کم ہوجائے گی اور کل نصاب کی قیمت بڑھنے سے واجب کی مالیت بھی بڑھ جائے گی ،یعنی جس میں واجب ہےاور جوواجب ہے دونوں کی قیمت کا رخ ایک ہی ہوگا جبکہ حج اور قربانی میں جس میں واجب ہے کہ مقدار متعین ماننے کی صورت میں ممکن ہے دونوں کی مالیت اور قیمت کا رخ بالکل الٹ جانب ہو کہ جس میں واجب ہے یعنی نصاب اس کی مالیت تو گھٹتی رہےاور جوواجب پرخرچ ہونا ہےاس کی مالیت بڑھتی رہے جیسا کہ قربانی کے معاملے میں چاندی کے نصاب میں ہوا،اگر حج کا کوئی نصاب مقرر کریں گے تو اس میں بھی یہ ہوسکتا ہے،اس لئے قربانی میں کسی متعین نصاب کومقصود اصلی قرار نہیں دیا جاسکتا،یہیں شارع کی عظیم حکمت بھی سامنے آجاتی ہے ہے زکوۃ کے نصاب پرنص کی ہے قربانی پرنہیں۔

لیکن دوسری طرف عدمِ تحدید کی وجہ سے مسئلے کے انطباق میں بڑی مشکل پیش آسکتی ہے اس لئے تحدید کرنا پڑی،اس کی ایک صورت تو یہ تھی کہ عرف میں اگر کوئی ایسی چیز ہوتی جسے قربانی کی گنجائش ہونے یا نہ ہونے کا ضابطہ بنایا جاسکتا تو اس کے ساتھ تحدید کردی جاتی ،لیکن عرف سے بھی تحدید ممکن نہ ہونے کی وجہ سے شرعی معیار سے ہی تحدید کردی گئی،اس کی نظیر یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اقرار کرے ”لہ علی مال عظیم من الدراهم “ تو دوسو درہم سے کم میں اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔ ہدایہ میں ہے۔

لأنه أقربمال موصوف فلايجوز الغاء الوصف ،والنصاب مال عظيم حتى اعتبر صاحبه غنيا به، والغنى عظيم عند الناس وعن أبى حنيفة أنه لايصدق فى أقل من عشرة دراهم وهى نصاب السرقة يقطع به اليد المحترمة وعنه مثل جواب الكتاب ، وهذااِذاقال: من الدراهم ،أما اذاقال : من الدنانير فالتقديرفيها بالعشرين وفى الأبل بخمس وعشرين لأنه أدنى نصاب يجب فيه من جنسه وغيرمال الزكوٰة بقيمة النصاب. (۲۳۰/۳)

یہاں اقرار میں مال کاعظیم ہونا ایک امر عرفی تھا جیسا کہ صاحبِ ہدایہ کے قول ”والغنی عظیم عندالناس“ سے بھی معلوم ہوتا ہے،لیکن عرف سے اتنا تو معلوم ہوگیا کہ عظمت سے مراد غنٰی ہے لیکن غنی کی تحدید عرف سے ممکن نہیں تھی اس لئے اس کے لئے تحدید شرع کو ہی عرف کے قائم مقام سمجھ لیا گیا۔اور ایک روایت میں بنیاد زکوٰۃ کو بنایا گیا اور دوسری میں نصاب سرقہ کو،اس سے معلوم ہوا کہ فقہاء غنائے عرفی کی تحدید بھی بعض اوقات غنائے شرعی سے کرتے ہیں،اس وجہ سے کہ عرف میں انہیں کوئی نپا تلا پیمانہ دستیاب نہیں ہوتا نہ کہ اس وجہ سے کہ وہ شرعی مقدار اس مسئلے میں مقصود اصلی ہے۔کس شخص میں قربانی کی سعۃ اور استطاعت موجود ہے اور کس میں نہیں اس کا مدار بھی بظاہر ہر دور کے معاشی حالات بالخصوص جانوروں وغیرہ کی قیمت پر ہے،اس لئے کہ جانور کی قیمت کونظر انداز کر کے کسی متعین مقدار کومقصود اصلی بنائے جانے پر بہت سے اشکالات لازم آئیں گے،جیسا کہ صاحب بدائع کے حوالے سے اوپر استغراق جمیع المال والا اشکال گذر چکا۔زکوۃ میں واجب نصاب کی ایک نسبت شائعہ ہوتی ہے اس لئے اس میں یہ اشکال نہیں ہوسکتا، اس لئے قربانی کی استطاعت اور ”سعۃ“ کا تحقق بھی

بظاہر ایک امر عرفی معلوم ہوتا ہے، لیکن فقہاء نے اس کی تحدید نصاب زکوٰۃ سے کردی اس لئے کہ تحدید کا اور کوئی راستہ نہیں تھا اور عدم تحدید بھی مشکل تھی، اس لئے کہ اس صورت میں ہر آدمی کو اپنے بارے میں فیصلہ کرنے میں دقت ہوتی ہے کہ میرے پاس گنجائش ہے یا نہیں، پھر اس دور میں دراہم بکثرت رائج تھے اور نصابِ دراہم اور نصابِ دنانیر میں ایسا تفاوتِ فاحش بھی متصور نہ تھا اس لئے کبھی تو فقہاء دوسو دراہم یا بیس دینار دونوں کا ذکر کر دیتے ہیں اور کبھی صرف دوسو دراہم کا۔

اوپر جو عرض کیا گیا کہ ''سعۃ'' جو نص ہے اس کی چونکہ نص میں تحدید نہیں کی گئی اس لئے اصول کا تقاضا یہ تھا کہ اسے رائے مبتلی بہ پر چھوڑ دیا جاتا، اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ حنفیہ کے ہاں جزیہ کی امام کی طرف سے مقرر کی جانے والی مقدار فقیر معتمل، متوسط اور غنی کے لئے الگ الگ ہے، لیکن فقر، غنیٰ اور توسط کا معیار بیان کرتے ہوئے الدرالمختار میں ہے:

(ومن ملک عشرة الاف درهم فصاعداًغنی ومن ملک مأتی درهم فصاعداًمتوسط و من ملک مادون المأتين أو لايملک شيئاًفقير)قالهُ الكرخي وهو أحسن الأقوال وعليه الاعتماد بحر، واعتبر أبوجعفر العرف وهو الأصح تتارخانية. (۱۹۷/۴)

اس پر علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

(قوله وهو الأصح)صححه في الولواجية أيضاقال في الدرالمنتقىٰ: والصحيح في معرفة هؤلاء عرفهم، كمافي الكرماني وهو المختار كمافي الإختيار، وذكره القهستاني واعترف في المنح تبعا للبحربأنه أي التحديد لم يذكر في ظاهر الرواية، ولايخفىٰ أن الأول أي اعتبار العرف أقرب لرأي صاحب المذهب وأقره في الشرنبلالية وفي شرح المجمع وغيره : وينبغي تفويضه للامام أي كماهو رأي الامام، وفي التاترخانية أنه الأصح فتبصره ۱ھ، يعني أن رأي الامام أن المقدرات التي لم يردبها نص لاتثبت بالرأي، بل تفوض الى رأي المبتلى كماقال في الماء الكثير (۱) وفي غسل النجاسة وغير ذالک. (۱۹۷/۴)

اس عبارت کے آخری جملے بالخصوص قابلِ غور ہیں اس کے ساتھ ہی یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ صاحب بدائع نے اس مسئلہ میں ایک قول یہ بھی نقل کیا ہے کہ غنیٰ کی مقدار چار ہزار درہم ہے اور توسط کی مقدار دوسو درہم ہے اس سے کم والا فقیر ہے، اس کی وجہ صاحب بدائع نے یوں بیان کی ہے:

لماروی عن سیدنا علي وعبدالله بن سیدنا عمر رضي الله عنهم أنهماقالاأربعة الاف درهم فمادونها

---

(۱) ففي الدرالمختار : (والمعتبر)في مقدار الراكد رأي (أكبر أي المبتلى به فيه ......هذاظاهر الرواية عن الامام، واليه رجع محمد، وهو الأصح كمافي الغاية وغيرها .(۱۹۱)وفي ردالمحتار :(قوله : وهو الأصح)زادفي الفتح : وهو الأليق بأصل أبي حنيفة أعني عدم التحكم بتقدير فيمالم يرد فيه تقدير شرعي.

نفقة ومافوق ذلک کنز . (۱۱۲/۷)

حاصل یہ کہ دوسودرہم سے تحدید اصل شرعی منصوص ضابطہ نہیں ہے، بلکہ یہ تحدید سہولتِ انطباقِ مسئلہ کے لئے ہے، اور تحدید کی ضرورت سے انکار بھی نہیں کیا جاسکتا اور نصاب شرعی کے علاوہ تحدید کا کوئی معیار بھی نہیں ہے اس لئے تحدید تو کی جائے اور کسی بھی نصاب شرعی سے جائے، لیکن چاندی کی بجائے اصل معیار سونے کے نصاب کو بنایا جائے، اس لئے کہ اصل معیار تو وجودِ سعۃ ہے، دوسودرہم اس کے تحقق کی علامت کے طور پر مقرر کیے گئے تھے اور اس زمانے میں واقعی دوسودرہم مالیت کا مالک ہونا وجودِ سعۃ کا عمومی مظنّہ اور اس کی علامت ہوسکتا تھا لیکن اب بکثرت ایسی مثالیں ملتی ہیں جہاں اتنی مالیت ہوتے ہوئے بھی اسے "**من کان لهٗ سعة**" میں داخل نہیں کیا جاسکتا اور اس پر ایجابِ قربانی میں حرج لازم آتا ہے۔

فرض کیجئے ایک غریب آدمی اپنی بیٹی کا عقد ایک انتہائی غریب گھرانے میں کردیتا ہے اور بڑی مشکل سے ڈیڑھ دوتولہ سونا بھی اسے پہنا دیتا ہے، اب اگر وہ چند روپوں کی مالک بھی بن جاتی ہے تو ایک تو اس پر سالانہ زکوٰۃ واجب ہوگی جو تقریباً تین چار سو روپے کے درمیان ہوگی اور ہر سال قربانی بھی واجب ہوگی جس پر ہونے والے اخراجات اس سے کہیں زیادہ ہوں گے، حالانکہ ہوسکتا ہے کہ اس کے گھر کے روزمرہ کے انتہائی ضروری اخراجات بھی بمشکل پورے ہوتے ہوں۔

﴿۲﴾ اوپر مختلف عبارات کے حوالے سے یہ عرض کیا گیا ہے کہ تحقق نماء کے بعد یہ دیکھنے کی ضرورت نہیں رہتی کہ یہ فارغ عن الحوائج الأصلیہ ہے یا نہیں، لہٰذا اگر کسی کے پاس نقود ہیں جو حوائج اصلیہ میں خرچ کرنے کیلئے رکھے ہوئے ہیں ان سے بھی غنا متحقق ہوجاتا ہے، لیکن ابن ملک کا قول اس کے خلاف ہے جو علامہ شامیؒ نے درج ذیل الفاظ میں نقل کیا ہے:

فاذاکان له دراهم مستحقة بصرفهاالی تلک الحوائج صارت کالمعدومة، کماأن الماء المستحق بصرفه الی العطش کان کالمعدوم وجاز عنده التیمم. (ردالمحتار ۲/۲۶۲)

جس کا حاصل یہ ہوا کہ نصاب کا نماء اس کے فارغ عن الحوائج ہونے کو مستلزم نہیں، گویا کہ ان کے اس قول کے مطابق فارغ عن الحوائج اور نامی میں عموم وخصوص من وجہ کی نسبت ہے، علامہ طحطاویؒ حلبیؒ سے ابن ملک کے اس قول کی تشریح نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

قال الحلبی :قدعلمت أن مرداه أن یکون النصاب فارغاً عن الصرف فی هذه الاشیاء أما وجود هذه الأشیاء من دور السکنی وغیر ها فلاتجب فیه الزکوٰة ولوزادت عن الحاجة الأصلیه مالم ینوبها التجارة . (حاشیۃ الطحطاوی علی الدر ۱/۳۹۱)

اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ اگر حوائج اصلیہ سے مراد خود وہ اشیاء لی جائیں جیسا کہ عام فقہاء کا رجحان اسی طرف ہے اور مالِ نامی جو ان حوائج میں صرف کرنے کے لئے رکھا گیا ہے اسے نامی ہونے کی وجہ سے فارغ عن الحوائج ہی سمجھا جائے تو متون میں جو "فارغ

عن الحوائج الأصليه ‘‘ کی قید ذکر کی جاتی ہے اس کا کوئی فائدہ نہیں رہے گا، اس لئے کہ خود یہ اشیاء تو نامی کی قید سے نکل گئیں، یہی بات علامہ شامیؒ ان لفظوں میں فرماتے ہیں:

لکن قدیقال : المتون موضوعة للاختصار ،فمافائدة اخراج الحوائج مرتین ، نعم! تظهر الفائدة فی ذکر القیدین علیٰ ماقرره ابن ملک الخ. (۲/۲۶۲)

اسی وجہ سے آگے چل کر علامہ شامیؒ نے ابن ملک کے قول کو موافق لظاہر عبارات المتون قرار دیا ہے۔علامہ شامی نے ابن ملک کے قول اور دوسرے فقہاء کے قول میں تطبیق دیتے ہوئے ابن ملک کے قول کو اس صورت پر محمول کیا ہے جبکہ حولانِ حول کے وقت یہ دراہم وغیرہ ’’**بالفعل مستحق الصرف الی الحوائج الأصلیة**‘‘ ہوں یعنی وہ ضرورتیں بالفعل موجود ہوں جن میں انہیں خرچ کرنے کی نیت کی ہے دوسرے فقہاء (صاحب بدائع ،معراج ،تاتارخانیہ وغیرہ) کی مراد وہ صورت ہے جبکہ بالفعل یہ ضرورتیں حولانِ حول کے وقت موجود نہ ہوں، بلکہ مستقبل میں انہیں ضرورتوں میں صرف کرنے کا ارادہ ہو۔(خواہ مستقبل قریب میں ان ضرورتوں کے پیش آنے کا ظن غالب ہو)۔

لیکن ابن ملک کے قول کی یہ تشریح خلافِ متبادر معلوم ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ اکثر حضرات نے اسے مطلق سمجھا ہے خواہ ضروریات حولانِ حول کے وقت بالفعل موجود ہوں یا نہ ہوں، یہی مطلب سمجھ کر اسے دوسری عبارات کے خلاف قرار دیا ہے، جیسا کہ طحطاوی علی الدر کے حوالہ سے حلبیؒ کی تشریح نقل کی جا چکی ہے، اسی طرح صاحب البحر، ابن ملکؒ کا یہ قول کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

فـقـدصرح بأن من معهٗ دراهم وأمسکها بنیة صرفها الی حاجته الأصلیة لاتجب الزکوٰة اذاحـال الـحـول وهـی عـنـدهٗ، ویخالفهٗ مافی معراج الدرایة فی فصل زکوٰة العروض أن الزکوٰة تجب فی النقد کیفماأمسکه، للنماء أوللنفقة الخ. (۲/۲۰۶)

صاحب البحر کی یہی عبارت علامہ شرنبلالیؒ نے درر الأحکام کے حاشیہ میں نقل کی ہے۔ (ص ۱۷۲)

پھر ابن ملکؒ نے ’’دراہم مستحقۃ الصرف الی الحوائج‘‘ کو تشبیہ دی ہے ماء مستحق الصرف الی العطش کے ساتھ تیمّم کے مسئلہ میں بالفعل وجودِ عطش ضروری نہیں بلکہ جواز تیمّم کے لئے مآلاً خوفِ عطش بھی کافی ہے ، اس لئے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ جو دراہم وغیرہ ایسی ضروریات کے لئے رکھے ہوئے ہیں جو حولانِ حول کے وقت بالفعل تو درپیش نہیں لیکن مستقبل قریب میں ان کے پیش آنے کا ظن غالب ہے ایسے دراہم بھی ابن ملکؒ کے نزدیک فارغ عن الحوائج الأصلیۃ نہیں سمجھے جائیں گے لہذا علامہ شامیؒ والی تطبیق کی بجائے یا تو یوں کہا جائے کہ دونوں قول مستقل ہیں یا پھر یوں تطبیق دی جائے کہ ابن ملکؒ کی مراد ایسے نقود ہیں جو ایسی ضرورت کے لئے رکھے ہوئے ہوں جن کے مستقبل میں تحقق کا ظن غالب ہے اور دوسری عبارات سے مراد وہ ہیں جو محض احتیاطاً رکھے ہوئے ہوں، یعنی رکھنے کا مقصد تو کسی غیر متعین ضرورت میں خرچ کرنا ہی ہو نماء مقصود نہ ہو لیکن وہ ضرورت غیر مظنون ہو۔

تطبیق کی ایک اورصورت ناقص خیال میں آتی ہے، وہ یہ کہ ابن ملکؒ کی عبارت کواپنے ظاہر پر رکھا جائے (جیسا کہ اس کے ظاہر عبارات متون کے موافق ہونے کا بھی بظاہر تقاضا یہی معلوم ہوتا ہے) دوسری عبارات جن میں عموماً اس طرح کے الفاظ ہیں "کیفما أمسکۂ للنماء أو للنفقة ،سواء أمسکۂ للتجارة أوغيرها" کے بارے میں یوں کہا جائے کہ ان میں اصل مقصود صرف یہ بتانا ہے کہ نقود میں نماء تقدیری ہوتا ہے، ان کے نامی ہونے کے لئے اعداد من العباد للنماء ضروری نہیں ہے لہذا ان میں بھی نیت کرے یا کوئی بھی نیت نہ کرے یہ نامی ہی سمجھے جائیں گے (بخلاف نقود کے علاوہ دیگر اعیان کے انہیں نامی تب سمجھا جائے گا جب نماء یعنی تجارت کی نیت ہو) یہ مقصد نہیں کہ بہرصورت ان نقود کو فارغ عن الحوائج بھی تصور کرلیا جائے گا، جہاں یہ کہا گیا ہے کہ جو بھی نیت ہو ان میں زکوٰۃ واجب ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جو بھی نیت ہو بشرطیکہ وجوبِ زکوٰۃ کی اور شرائط جن میں فراغ عن الحوائج بھی شامل ہے پائی جائیں تو زکوٰۃ واجب ہو جائے گی نیت نماء کے پائے جانے کی ضرورت نہیں ہوگی، ان عبارات کا مقصد یہ نہیں ہے کہ نماء تقدیری پائے جانے کی وجہ سے دوسری شرائط غیر معتبر ہو جائیں گی وگرنہ دین بھی ضروریات اصلیہ میں سے ہے اور نقود کے اندر فراغ عن الدین کی شرط کا اعتبار بہرحال کیا جاتا ہے اس سلسلہ کی چند عبارات حسب ذیل ہیں:

درمختار کی عبارت (جس کی طرف علامہ شامیؒ ابن ملکؒ کے خلاف عبارات کے ضمن میں "وسیصرح به الشارح" کہہ کر اشارہ کیا ہے) حسب ذیل ہیں:

ولو للتجمل أو للنفقة لأنهما خلقا أثمانا فيزكيهما كيفما كانا. (۲/۲۹۸)

بدائع کی پوری عبارت یہ ہے:

الاأن الاِعداد للتجارة فى الأثمان المطلقه من الذهب والفضة ثابت بأصل الخلقة لأنها لاتصلح للانتفاع بأعيانها فى دفع الحوائج الأصلية فلا حاجة الى الاِعداد من العبد للتجارة بالنية......فتجب الزكوٰة فيها نوى التجارة أولم ينو أصلاً، أونوى النفقة. (۲/۱۱)

تتارخانیہ کی عبارت یہ ہے:

الزكوٰة واجبة فى الذهب والفضة مضروبة كانت أوغيرمضروبة،وفى الخانية مصوغا كان أوغيرمصوغ......نوى التجارة أم لا. (۲/۲۳۰)

ان عبارات کا مقصد بظاہر صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ نقدین میں نماء کے لئے نیت ضروری نہیں بلکہ یہ خلقۃً نامی ہیں یہ مقصد نہیں کہ ان میں وجوبِ زکوٰۃ کے لئے دوسری ذکر کردہ شروط کا بھی اعتبار نہیں ہے وگرنہ دراہم مشغولہ بالدین میں بھی زکوٰۃ کا قائل ہونا پڑے گا۔

ساری گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ "نقود مستحقۃ الصرف الی الحوائج الأصلیۃ کے بارے میں دو قول ہیں:

[۱] ابن ملکؒ کا قول جس کے مطابق ان سے غنیٰ متحقق نہیں ہوتا۔

[۲] بدائع، معراج، نہر اور تتارخانیہ وغیرہ کی عبارات جن کا مقتضا بظاہر ایسے دراہم سے تحقق غنیٰ ہے۔

ان دونوں قولوں کے مطابق چار قسم کی باتیں سامنے آئیں۔

{ ۱ } علامہ شامیؒ کے قول کے مطابق تطبیق دیتے ہوئے ابن ملک کی عبارت کو "**کون الدراهم مستحقة الصرف الی الحوائج بالفعل**" پر اور دوسری عبارت کو "**نیة صرفها الی الحوائج فی المستقبل**" پر محمول کیا جائے لہذا اس وقت جو حاجتیں درپیش ہیں ان کے لئے جو رقم رکھی ہوئی ہے وہ بالاتفاق نصاب سے مستثنیٰ ہوگی۔

{ ۲ } ابن نجیمؒ اور حلبیؒ وغیرہ کی عبارات کے مطابق دونوں کو مستقل قول سمجھا جائے، اس صورت میں تطبیق کی بجائے ترجیح کی ضرورت ہوگی اور اطلاقات متون کے موافق ہونا، نیز ہمارے زمانے میں تنگی اور حرج کے ازالے کا باعث ہونا ابن ملک کے قول کے لئے مرجح بن سکتا ہے۔

{ ۳ } ابن ملکؒ کے قول کو حوائج مظنونہ اور دوسری عبارات کو حوائج محتملہ پر محمول جائے لہذا جو حاجات اس وقت درپیش ہیں یا پیش تو نہیں آئیں پیش آنے کا قوی احتمال ہے ان کے لئے رکھی گئی رقوم نصاب سے مستثنیٰ ہوں۔

{ ۴ } ابن ملکؒ کے قول کو اپنے ظاہر پر رکھتے ہوئے دوسری عبارات کو اس پر محمول کیا جائے کہ

کیفما أمسکه للنماء أو للنفقة

جیسی تعمیمات تحقق نماء کے لئے ہیں نہ کہ تحقق غنیٰ اور وجوبِ زکوٰۃ کے لئے اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ابن ملکؒ کی طرح باقی فقہاء کے نزدیک بھی نقود کے اندر فراغ عن الحوائج مستقل شرط ہے اس تفصیل کو پیش نظر رکھتے ہوئے مندرجہ ذیل امور قابل غور معلوم ہوتے ہیں۔

(۱) کیا اس بات کی گنجائش ہے کہ [۳] یا [۴] کے مطابق تطبیق کا راستہ اختیار کیا جائے یا [۲] کے مطابق دونوں کو مستقل قول قرار دیتے ہوئے ابن ملکؒ والے قول کو ظاہر عبارات المتون کے موافق ہونے کی وجہ سے غنا سے متعلق تمام مسائل میں ترجیح دی جائے۔

(۲) یا پھر کم از کم قربانی کے مسئلہ میں ترجیح یا [۴] کے مطابق تطبیق کا راستہ اختیار کرتے ہوئے یوں کہا جائے کہ جس شخص نے مستقبل میں متوقع ضرورتِ اصلیہ کے لئے کچھ رقم بچا کر رکھی ہوئی ہو اسے منہا کر کے وجوب یا عدم وجوب اضحیہ کا فیصلہ کیا جائے گا۔

اس پر غور کرتے ہوئے شامی کی درج ذیل عبارت بھی پیش نظر رہنا مناسب ہے۔

> **وذُکر فی الفتاویٰ فیمن له حوانیت ودور للغلة لکن غلتها لاتکفیه وعیالهُ أنه فقیر ویحل لهُ أخذالصدقة عند محمد، وعند أبی یوسف لایحل وکذالوله کرم لا تکفیه غلتهٗ، ولوعندهٗ طعام للقوت یساوی مأتی درهم فان کان کفایة شهر یحل أو کفایة سنة قیل: لایحل، وقیل یحل لأنه مستحق الصرف الی الکفایة فیلحق بالعدم، وقد ادّخرعلیه الصلاة**

والسلام لنسائه قوت سنة......وظاهر تعليله للقول الثانى فى مسألة الطعام اعتماده وفى التتارخانية عن التهذيب أنه يصح ...... وفيها (أى الصغرى)سئل محمدفى من له أرض يزرعها أوحانوت يستغلها أودار غلتهاثلاثة الاف ولاتكفى لنفقته ونفقة عياله سنة، يحل لهٗ أخذالزكوٰةوان كانت قيمتها تبلغ ألوفاوعليه الفتوىٰ، وعندهما لايحل. (۲/۳۴۸)

اس عبارت میں خاص طور پرخط کشیدہ عبارت کو بظاہراس صورت کوبھی شامل ہے کہ یہ تین ہزار بیک وقت حاصل ہوجائیں لیکن وہ سال بھرکی ضروریات کے لئے ناکافی ہوں اس سے معلوم ہوا کہ فراغ عن الحوائج میں صرف موجودہ حوائج ہی کا اعتبارنہیں بلکہ حوائج مستقبلہ بھی معتبر ہیں۔

پوری گفتگو کا حاصل یہ ہوا کہ وجوبِ اضحیہ کا معیار جس انداز سے عموماً بتایا جاتا ہے اس میں کافی مشکلات ہیں بلکہ حرج لازم آتا ہے،اس لئے قواعداگراجازت دیں تواس میں سہولت کی صورت نکالنے کی ضرورت معلوم ہوتی ہے،سطور بالا میں دوتجویزیں برائے غور پیش کی گئی ہیں۔

(۱) نصاب چاندی کی بجائے سونے کا بیان کیاجائے۔

(۲) جورقم متوقع ضرورت کے لئے رکھی ہوئی ہواسے نکال کرتحقق غنیٰ کافیصلہ کیاجائے۔

یہاں ارکان دارالافتاءاور چند دیگر مدرسین نے ماہانہ علمی مشاورت کا اہتمام کیا ہواہے،اس میں بھی یہ مسئلہ زیرغور ہے، فیصلہ ظاہر کہ اکابرکی آراءسامنے آنے کے بعدہی کیا جاسکتا ہے اس لئے امید ہے کہ اپنے قیمتی اوقات میں سے کچھ وقت نکال کراس مسئلہ میں اپنی رائے گرامی سے جلدمطلع فرمائیں گے۔ والسلام

محتاج دعا

محمدزاہد

جامعہ اسلامیہ امدادیہ فیصل آباد

۱/۱/۱۶ھ